تفسیر اور اصولِ تفسیر کی تدریس

از: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

قرآنِ کریم کتاب قراءت ہی نہیں کتابِ ہدایت بھی ہے، اس کی ہدایت کا دائرہ ساری انسانیت کو محیط ہے۔ (بقرہ:۱۸۵) اس میں پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، آئندہ رونما ہونے والے حوادث کی آگہی ہے، اور زمانۂ حال کے مسائل کا حل ہے، اس کی باتیں فیصلہ کن ہیں، یہ دل لگی کی باتیں نہیں ہیں، جو سرکش اسے چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دیں گے اور جو قرآن کریم سے ہٹ کر ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیں گے، یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ حکمت بھرا نصیحت نامہ ہے اور یہ سیدھا راستہ ہے۔ (ترمذی، باب فضائل قرآن، حدیث:۲۹۱۸)

قرآنِ کریم کے بعض مضامین تو بہت آسان ہیں، سب سمجھ سکتے ہیں، چند احکام صرف اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں، اور بعض مضامین اتنے اونچے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ان کا علم ہے، مثلاً حروفِ مقطعات کا مفہوم۔

علامہ سیوطیؒ نے الاتقانی علوم القرآن (ص:۴۴۴) میں قرآن پاک کی آیتوں کے چار درجے بیان فرمائے ہیں:

۱-قرآن کی بعض آیات تو ایسی ہیں جن کو عرب محض عربی دانی کی وجہ سے سمجھ لیتے ہیں۔

۲-بعض آیات ایسی ہیں جن کا سمجھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، اور ہر ایک سمجھ بھی سکتا ہے۔

۳-بعض آیات کا مطلب صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، دوسرے کے بس کی بات نہیں۔

۴-بعض آیتوں کا مفہوم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

تفسیر کے مراحل:

ہمارے مدارس میں قرآنِ پاک کی تفسیر تین مرحلوں میں پڑھائی جاتی ہے، پہلے ترجمۂ

قرآن مجید، پھر جلالین شریف پڑھائی جاتی ہے اور بالکل اخیر میں تکمیل تفسیر ہے، جسے دورۂ تفسیر یا تخصص فی التفسیر بھی کہا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ:

ہمارے نصاب کی خصوصیت ہے کہ قرآنِ پاک کا ترجمہ مکمل پڑھایا جاتا ہے، اس میں بھی تدریج ہے، پورے قرآنِ پاک کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

سوم عربی میں ترجمۂ قرآن مجید:

عربی سوم سے اس کی ابتداء ہوتی ہے؛ اس لیے کہ اس سے پہلے دو سالوں میں نحو، صرف اور عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، سوم عربی میں وہ اس لائق ہوجاتے ہیں کہ ان کو قرآنِ پاک کا ترجمہ پڑھایا جائے، اگر طلبہ نحو، صرف اور عربی زبان میں کمزور ہوں تو انھیں ہرگز ترقی نہ دی جائے، یہ ان کے حق میں بہتر ہے، اس کے بہتر ہونے کا احساس ان کو دلایا جائے۔ اپنے یہاں کے مدارس میں عموماً اور دارالعلوم دیوبند میں خصوصاً سوم عربی کے طلبہ کو سورۂ ق سے اخیر قرآنِ کریم تک ترجمہ پڑھایا جاتا ہے؛ مگر ترجمہ، پارۂ عم سے شروع کیا جاتا ہے، جب یہ پارہ مکمل ہوجاتا ہے تو سورۂ ق سے ترجمہ شروع ہوتا ہے، پہلی ششماہی میں سوا پارہ یا ڈیڑھ پارہ ہی ترجمہ ہو پاتا ہے؛ چوں کہ شروع میں ترجمہ سے مناسبت نہیں ہوتی؛ اس لیے شروع میں اساتذہ دوچار آیتیں ہی پڑھائیں تو بہتر ہے، اور پڑھانے کا انداز یہ ہو کہ پہلے مشکل لغات لکھائے جائیں، لفظ کا مادّہ، صیغہ، واحد، جمع، تعلیل، تخفیف اور صلات وغیرہ بس اتنا ہی بیان کرنا چاہیے جتنے کی اس جگہ ضرورت ہو۔ پھر ترجمہ لفظی کرنا چاہیے؛ مگر نہایت ہی قدیم ترجمہ تحت اللفظ سے احتراز کرنا چاہیے۔ بعض اساتذہ حضرت تھانویؒ کا ترجمہ کرتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے؛ اس لیے کہ اس ترجمہ میں مضمون بھی واضح ہوجاتا ہے، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا ترجمہ بھی عمدہ ہے، پھر خلاصۂ تفسیر نہایت ہی اختصار کے ساتھ پیش کرنا چاہیے، اگر آیت کا سمجھنا شانِ نزول پر موقوف ہو تو اس کو ضرور بیان کرنا چاہیے، واقعات میں صحیح ترین واقعہ کو دیکھ کر اطمینان کرکے بیان کرنا چاہیے، ورنہ اسرائیلیات میں پڑنے کا شدید خطرہ باقی رہ جائے گا، جس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے ایک سے زائد اقوال ہوں، ان میں سب سے راجح قول ہی طلبہ کو بتایا جائے؛ تاکہ اطمینان اور اعتماد کے

ساتھ یاد کرسکیں۔

کبھی چند اقوال بتادینے کا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبہ ایک قول بھی یاد نہیں کرتے ناچیز کو پہلے سال دارالعلوم دیوبند میں شرح مائۃ عامل پڑھاتے ہوئے یہ تجربہ ہوا، ایک جملہ کی دوترکیبیں کردیں، طلبہ نے ایک بھی یاد نہ کی۔

سوم عربی میں بعض اساتذہ ترکیب میں زنجیری انداز اختیار کرتے ہیں، اور بعض صرف اعراب اور وجہ اعراب کے بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، اگر طلبہ کی نحوی استعداد پختہ ہے، شرح مائۃ عامل انھوں نے اچھی طرح پڑھی ہے تو صرف وجہِ اعراب بتادینا بھی کافی ہے، زنجیری ترکیب ضروری نہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں عم پارہ میں ترکیب پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور سبق کی مقدار بہت کم رہتی ہے، پوری ششماہی میں صرف ایک سوا پارہ پر محنت مرکوز رہتی ہے، سورۂ ق سے مرسلات تک دوسری ششماہی میں پڑھاتے ہیں۔

چہارم عربی میں ترجمۂ قرآن مجید:

جب یہ طلبہ چہارم عربی میں آتے ہیں تو ان کو قرآن کی مشکل لغات، ترکیب اور خلاصہ یاد کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے؛ اس لیے چہارم میں نصاب کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اور سورۂ یوسف سے سورۂ حجرات تک یہ ترجمہ پڑھتے ہیں، ان میں اکثر سورتیں مکی ہیں، مضامین مشکل نہیں ہیں؛ اس لیے ترجمہ، اعراب اور لغات پر زیادہ توجہ دینی چاہیے، یہاں بھی اندازِ بیان آسان اختیار کیا جائے، اور سوم عربی میں جن باتوں کا خیال کیا گیا ہے، ان کو ملحوظ رکھا جائے، لغات واعراب میں صرف اتنا ہی بتایا جائے جتنا ان کو ہضم ہوجائے، بعض اساتذہ اختصار کا خیال نہیں رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کا درس بافیض نہیں ہوپاتا۔

مدنی سورتیں درج ذیل ہیں: حج، نور، احزاب، محمد، فتح اور حجرات ان میں احکام ہیں، آیات سے مستنبط ہونے والے احکام کو بھی نہایت ہی دقتِ نظر سے پڑھایا جائے۔

پنجم عربی میں ترجمۂ قرآن مجید:

پنجم عربی تک طلبہ کو ترجمۂ قرآن سے اچھی خاصی مناسبت ہوجاتی ہے، اس مرحلہ میں شروع

سے سورۂ ہود تک ترجمہ پڑھایا جاتا ہے، ان میں اکثر حصہ احکام ومسائل کا ہے؛ اس لیے مسائل اچھی طرح بیان کیے جائیں، جہاں اعراب مشکل ہو وہیں ترکیب بتائی جائے؛ البتہ لغات پر توجہ دینا یہاں بھی ضروری ہے۔

مسائل بتاتے ہوئے اساتذہ زیادہ طویل کلام نہ کریں، بس اتنے ہی مسائل بتائیں جو آیت سے مستنبط ہورہے ہوں، تفصیل ہدایہ کے لیے چھوڑ دیں، اگر کسی آیت کی چند تفسیریں ہوں تو راجح کو علت کے ساتھ بیان کردیں، لمبی تقریریں طلبہ کے لیے مفید نہیں ہوتیں۔

چہارم تک آیات میں ادب اور بلاغت ہرگز بیان نہ کریں، پنجم عربی میں دروس البلاغہ یا تلخیص المفتاح پڑھے ہوتے ہیں؛ اس لیے علم بیان، معانی اور بدیع کی مثالیں بیان کرنے میں بھی حرج نہیں۔

ترجمۂ قرآن دارالعلوم دیوبند کے طرز پر پڑھانا چاہیے:

دارالعلوم دیوبند کے طرز پر پورے قرآنِ پاک کا ترجمہ پڑھانا چاہیے اور نصاب کی تکمیل کا خیال رکھنا چاہیے، نصاب کا پورا نہ ہونا بہت بڑا عیب ہے، طلبہ میں تشنگی باقی رہ جاتی ہے، وہ زندگی بھر ختم نہیں ہوتی۔

تذکیری آیات کی تدریس:

آج کا ماحول فسق پسند ہے؛ ہر طرف گناہ اور گناہ کی طرف متوجہ کرنے والے اسباب کی بہتات ہے؛ اس لیے جن آیات میں اللہ رب العزت نے راست طور پر انسانی قلوب کو متوجہ کیا ہے، مختلف قسم کی ظاہری اور باطنی خرابی کو بیان کرکے ان سے بچنے کی تلقین کی ہے، ان آیات کو پڑھاتے وقت طلبہ کو باطن کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، اس طرح امت کے نونہالوں کا تزکیہ ہوگا اور وہ امت کے لیے پاکیزہ قیادت کے علم بردار بن سکیں گے۔

تطبیق آیات:

آیاتِ قرآنی کا تعلق انسانی زندگی سے نہایت ہی قریب کا ہے، زندگی کی نشیب وفراز سے متعلق آیات موجود ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو روزمرہ کی زندگی پر منطبق کیا جائے، بہت سی آیات واضح ہیں، ہمارے مدارس کے طلبہ کو برمحل آیات پڑھنے کی عادت نہیں ہوتی؛ اس لیے کبھی کبھار

اساتذہ طلبہ سے سوال کریں کہ فلاں بات سے متعلق آیت پڑھو؟ فلاں حکم کی آیت کون سی ہے؟ یہ بات پیش آئی ہے، اس سے متعلق کون سی آیت ہے؟ اس طرح طلبہ میں برجستہ آیات پڑھنے اور ان سے استدلال کی عادت ہوگی، حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری زید مجدہ نے منتخب آیات واحادیث کے چھوٹے چھوٹے تین اجزا، محفوظات کے نام سے تیار کیے ہیں، ان کا مقصد بھی یہی ہے، ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بہرکیف! تطبیق آیات کا ملکہ، مشق وتمرین سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا مرحلہ:

دوسرے مرحلہ میں عام طور سے ہمارے مدارس میں جلالین شریف پڑھائی جاتی ہے، اس مرحلہ میں طلبہ ایک حدتک قرآنِ کریم کے مضامین سے واقف ہوتے ہیں؛ اس لیے اساتذہ محض آیات کی تفہیمی تقریر نہ کریں؛ بلکہ پوری توجہ کتاب کے حل پر مرکوز رکھیں، جب کتاب ان کے قابو میں ہوگی تو تفصیل وہ خود ہی کرلیں گے، اس کتاب میں درج ذیل باتوں پر توجہ دی جائے:

۱- فوائدِ قیود: علامہ سیوطیؒ اور محلیؒ کے بڑھائے ہوئے الفاظ کی وجہ بتائی جائے، کہیں اعراب کی تعیین ہے، کہیں ترجمہ ہے، کہیں محذوف کی وضاحت ہے، کہیں تعلیل ہے، کہیں قراءتِ مشہورہ اور کہیں قراءتِ شاذہ کی وضاحت ہے، کہیں مسئلۂ شافعی کا بیان ہے، کہیں شانِ نزول ہے، کہیں قصہ ہے اور کہیں ناسخ ومنسوخ کی تعیین ہے۔

غرض یہ کہ جہاں جو بات بیان کی گئی ہے، استاذ صاحب کی ذمہ داری ہے کہ اسے حل کریں، اور طالب علم کو مطمئن کریں، جب تک اطمینان نہ ہو سبق نہ پڑھائیں، اور طلبہ کو ہر تفسیری اضافہ کی وجہ پوچھنے کی اجازت ہو، ان کے سوال پر ڈانٹا نہ جائے اور نہ الزامی جواب پر اکتفار کیا جائے؛ بلکہ استاذ صاحب سوال کو سنجیدگی سے سنیں، اگر جواب مستحضر نہ ہو تو بعد میں جواب دینے کا وعدہ کریں اور مطالعہ کریں، اس موقع سے یہ خیال رہے کہ سوال کرنے والے طلبہ میرے علم میں اضافے کا سبب ہیں، ذہین طلبہ کی وجہ سے مطالعہ کی توفیق ہوتی ہے اور علم میں پختگی حاصل ہوتی ہے، جس طرح ہمارے اساتذہ نے ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے، ہمیں بھی طلبہ کے ساتھ ویسی ہی ہمدردی کرنی چاہیے، یونیورسٹیوں میں تحقیقی مقالات کی نگرانی کرنے والے پروفیسران کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اندازہ ہوا کہ وہ طلبہ کی الجھنوں کو نہایت ہی ہمدردی سے دور کرتے ہیں اور تحقیق میں طلبہ کا پورا تعاون کرتے ہیں؛ بلکہ عملی اشتراک سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

۲- راجح کی تعیین: علامہ سیوطیؒ اور محلیؒ نے جس تفسیر کو اختیار کیا ہے، وہ ہر جگہ راجح نہیں ہے، کہیں کہیں مرجوح بھی ہے، اس کی تعیین کی ذمہ داری استاذ کی ہے، انھیں پہلے اکابر علما کی تفسیریں دیکھنی چاہئیں، پھر بڑی تفسیروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے، مثلاً ابن کثیر، روح المعانی، مظہری اور مدارک وغیرہ، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو یا چند اقوال میں سے ہر ایک درست ہوتے ہیں، ان میں فتویٰ کی طرح کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔

۳- اگر کوئی عقلی اعتراض ہو تو اس کے لیے تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، تفسیر کبیر بہت مفید ہے، اکثر عقلی اعتراضات اس میں حل ہو جاتے ہیں۔

۴- کہیں کہیں جلالین میں اسرائیلیات در آئی ہیں، ان کی نشاندہی بہت ضروری ہے، اس جگہ صحیح تفسیر کرنا، استاذ کی ذمہ داری ہے، اکابر علما کی تفسیر کے ساتھ ابن کثیر کا دیکھنا بہت مفید ہوتا ہے، تفسیر بالروایہ میں ابن کثیر سب سے اہم تفسیر ہے۔

۵- شروع میں ہی طلبہ کو بتا دیا جائے کہ علامہ سیوطیؒ اور محلیؒ دونوں شافعی ہیں، آیات سے اپنے مسلک کے مطابق تفسیر اخذ کرتے ہیں، ان تمام مقامات پر سب سے پہلے شافعی مسلک کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور اگر شوافع کی فقہی کتابیں میسر ہوں تو براہِ راست ان میں مسائل دیکھنے چاہئیں، پھر اپنے مسلک کی کتاب سے مسائل دیکھ کر بیان کیے جائیں، شوافع کے استدلال کا جواب دینا بھی ضروری ہے، ورنہ حنفی طلبہ کے ذہن میں اشکال باقی رہ جائے گا اور یہ بہتر نہیں۔

۶- جلالین کا حاشیہ بہت عمدہ ہے، اس کی عمدگی کا اعتراف بہت سے علما نے کیا ہے؛ مگر حاشیہ لکھنے والے کون بزرگ ہیں؟ اس کا علم نہیں، انھوں نے محض اخلاص کی بنیاد پر اپنا نام تک نہیں لکھا؛ لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ مسلکاً حنفی ہیں۔ تفسیر کے بہت سے اشکالات اچھی طرح حل کر دیتے ہیں؛ لیکن واقعات میں اسرائیلیات بھی خوب لیتے ہیں، اساتذہ کو ایسے مقامات پر بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے، ان کی رو میں خود کو بہانا نہیں چاہیے۔

۷- جلالین میں قراءات بھی ہیں، قراءتِ مشہورہ کے ساتھ شاذّہ کو بھی ذکر کرتے ہیں، اساتذہ کو ذکر کردہ قراءت کو اچھی طرح تحقیق کر کے طلبہ کو بتانا چاہیے، اس کے لیے حاشیۃ الجمل کافی ہے، اس کے علاوہ السراج المنیر، روح المعانی، مظہری، وغیرہ کا دیکھنا بھی مفید ہے، ہر قراءت کے لحاظ سے آیت کی مختصر تفسیر ضرور کر دینی چاہیے؛ بلکہ لکھوا دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

جلالین میں ایک مشکل یہ ہے کہ وہ قراءت میں ترتیب کا لحاظ نہیں کرتے ہیں، قرآنِ پاک کے رائج نسخہ میں جو آیت ہے، اس کی قراءت کبھی بعد میں اور دوسری قراءت پہلے لکھ دیتے ہیں، ایسی جگہوں پر طالبِ علم تشویش کا شکار رہتا ہے؛ اس لیے اساتذہ کو وضاحت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

جلالین میں ہر جگہ لہجات کو بیان نہیں کرتے ہیں؛ مگر جہاں دو ہمزہ جمع ہوجائیں ان کے لہجات ضرور لکھتے ہیں، ایسی جگہوں میں اساتذہ اگر قراءتِ سبعہ نہ پڑھے ہوں تو کوئی حرج نہیں، کسی جید قاری سے ادائیگی سیکھ لیں، پھر ادا کریں، محض عبارت دیکھ کر الٹا سیدھا ادا نہ کریں، یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

۸- ناسخ ومنسوخ کے بارے میں طلبہ کے ذہن میں شروع سے ہی یہ بات بٹھادینا ضروری ہے کہ قرآنِ پاک کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے، پورا قرآن مجید محکم ہے، اپنے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کا یہی موقف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا رجحان بھی یہی ہے، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اگر یک لخت کہہ دیتے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں، تو لوگ نہ مانتے؛ اس لیے شاہ صاحبؒ قارئین کو تدریجاً اس نظریہ تک لے جانا چاہتے ہیں کہ موجودہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ (الخیر الکثیر ص:۷۵)

الفوز الکبیر کی شرح میں حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے آیاتِ قرآنی کے محکم اور غیر منسوخ ہونے والے موقف کو اختیار فرمایا ہے، حضرت مفتی محمد امین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی الخیر الکثیر میں اسی موقف کی تائید کی ہے، اور جن آیتوں کو علماء نے منسوخ کہا ہے، ان سب کی ایسی واضح تفسیر کی ہے جس سے منسوخ نہ ہونے کا یقین ہوجاتا ہے۔

علامہ سیوطیؒ کے نزدیک اگرچہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں؛ مگر جلالین میں ڈھیر ساری آیتوں کو منسوخ بتایا ہے، شاید متقدمین کے نظریہ کے مطابق ایسا کیا ہے؛ اس لیے پہلے اساتذہ نسخ کی بحث سمجھادیں، متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق بھی بتادیں اور ان جگہوں میں ایسی تفسیر کریں کہ طلبہ کا اشکال دور ہوجائے۔

۹- اسی مرحلہ میں یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ ہر آیت کا ''شانِ نزول'' ضروری نہیں، صرف انھیں آیتوں کا شانِ نزول جاننا ضروری ہے، جہاں بغیر شانِ نزول کے آیت کا سمجھنا مشکل ہو، مثلاً غزوۂ بدر وغیرہ کی آیات۔ (انفال ۴۲)

جلالین کے لیے معاون کتابیں:

قرآنِ پاک کے ترجمے اور اس کی تفسیریں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، ساری تفسیروں کا مطالعہ ممکن نہیں؛ جب دارالعلوم حیدرآباد میں راقم الحروف سے کتابیں متعلق ہوئیں تو جلالین شریف کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں تھی، جس میں جی لگتا، میں نے مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ کو فون پر بتایا کہ ساری کتابیں اوّل، دوم اور سوم کی ہیں، صرف ایک جلالین مطالعہ کے لائق ہے، میں کیا کروں؟ جی نہیں لگ رہا ہے، حضرت نے برجستہ فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا موقع ہے کہ قرآن مجید سے مناسبت پیدا ہو جائے گی اور یہ بہت بڑی نعمت ہے، تم اس کی متعلقات کتب خانہ سے نکال کر ذوق وشوق سے مطالعہ شروع کردو، جی لگنے لگے گا، میں کتب خانہ گیا اور ترسٹھ کتابیں نکال لایا، وہاں کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا، کمرے میں بیٹھا پڑھتا رہتا تھا، مختلف ذوق رکھنے والے مفسرین کی کتابیں دیکھتا تھا؛ لیکن ہدایت کے مطابق طلبہ کے لیے باتیں ترتیب دے کر جاتا، عبارت سے متعلق بس ضروری باتیں ہی بیان کرتا تھا؛ اس طرح ذی الحجہ کا مہینہ آگیا، اور دیوبند آنا ہوا، یہاں حضرت مفتی صاحب سے پوچھا کہ تفسیر کی کتابیں تو بے شمار ہیں، مجھے جلالین کے لیے کون کون سی کتابیں دیکھنی چاہئیں، فرمایا ''حاشیۃ الجمل'' سے جلالین حل کیا کرو پھر اپنے کسی بزرگ کی تفسیر دیکھ لیا کرو، اتنا کافی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جلالین کی مشکلات حاشیۃ الجمل میں حل ہوجاتی ہیں، صاوی بھی جمل کے شاگرد ہیں، اس میں جمل کا اختصار ہے، باربار کے مقابلے سے میں نے یہ سمجھا ہے، کہا جاتا ہے کہ صاوی بدعتی ہیں، ان کے حوالے سے متعدد بدعات کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں۔ راقم الحروف ان کے ساتھ علامہ شوکانی کی فتح القدیر، زمخشری کی کشاف اور خطیب کی سراج منیر کے ساتھ خازن اور مدارک بھی دیکھتا تھا اور استفادہ کرتا تھا، قرآن مجید کے اردو تراجم میں جتنے تراجم میسر ہوئے، سب کو اس لیے دیکھا کہ ایک تقابلی نظر ہوجائے، اس دوران بہت سوں سے عقیدت بڑھی اور بہت سوں سے بدگمان ہوگیا۔

جلالین کے لیے اردو شروحات دیکھنے کی نوبت نہیں آئی؛ البتہ دو تین مرتبہ مشکل مقام پر ''کمالین'' کو اٹھایا، اتفاق سے دو جگہ ترجمہ بھی نہیں کیا گیا تھا، اور ایک جگہ ترجمہ تو تھا؛ مگر اس سے عبارت حل ہوتی ہوئی نظر نہ آئی، اس کے بعد سے کبھی نہ دیکھا، ''جمالین'' اس وقت طبع ہوئی جب

چار پانچ سال جلالین پڑھا چکا تھا؛ اس سے استفادہ کا موقع نہیں ملا؛ البتہ ایک بار تعارف لکھنے کے لیے دیکھا، بہ ظاہر اچھی شرح معلوم ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ شارح نے کتاب کے حل کرنے میں بڑی عرق ریزی کی ہے۔

تفسیر کی منتخب کتابیں:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے عربی تفاسیر کی پانچ کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر کوئی ان کو دیکھ لے تو ان شاء اللہ کسی اور کے دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، وہ کتابیں درج ذیل ہیں:

۱- تفسیر ابن کثیر ۲- تفسیر کبیر ۳- تفسیر أبی سعود

۴- تفسیر قرطبی ۵- روح المعانی

''ابن کثیر'' تفسیر بالروایہ میں لاجواب ہے، یہ احادیث صحیحہ، ضعیفہ اور موضوعہ کی تعیین کردیتے ہیں، اسرائیلیات میں بہت محتاط ہیں۔

''تفسیر کبیر'' میں امام رازیؒ نے نہایت ہی بسط و تفصیل سے کلام کیا ہے، اس میں احکام شرعیہ کا بیان ہے، فرقِ باطلہ کی تردید ہے، ربط آیات کو بھی نہایت ہی بے تکلف بیان فرماتے ہیں، اس تفسیر میں تفسیری اشکالات حل ہوجاتے ہیں، ہاں! یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس میں رطب و یابس روایات بھی خوب ہیں؛ چوں کہ واعظ تھے؛ اس لیے روایات میں غضِّ بصر سے کام لیا ہے۔

''تفسیر أبی سعود'' کے مطالعہ کی رہنمائی مجھ کو حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ استاذ حدیث، مدیر ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند نے کی، یہ تفسیر بھی نہایت عمدہ ہے، مختصر ہے، اس میں ربط آیات، فقہی احکام، ادب اور بلاغت بہت سی چیزیں قارئین کے لیے کشش کا باعث ہیں۔

''تفسیر قرطبی'' بھی کافی عمدہ ہے، اس میں روزمرہ کی ہدایات، تذکیری آیات پر کافی تفصیلی گفتگو ملتی ہے، مشکل الفاظ کو حل کیا ہے، اعراب کی تعیین بھی کی ہے۔

''روح المعانی'' کے لیے بس اتنا کہنا کافی ہے کہ اس میں متقدمین کی جملہ تفاسیر کا عطر اکٹھا کیا گیا ہے، اسلامی کتب خانوں میں اس سے عمدہ تفسیر موجود نہیں، لغت، نحو، صرف، قرارت، بلاغت، فقہ، عقائد، فلسفہ، ہیئات اور تصوف ہر چیز کو بیان کیا ہے، روایات میں بہت محتاط ہیں، بعد کے سارے مفسرین ان کے خوشہ چیں ہیں۔

تیسرا مرحلہ:

اس مرحلہ کو تکمیل تفسیر، تخصص فی التفسیر اور دورۂ تفسیر بھی کہتے ہیں، ہندوستان کے سارے مدارس کا حال تو مجھے معلوم نہیں، صرف دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم حیدرآباد کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا ہے، دارالعلوم دیوبند میں دو تفسیر اور ایک اصولِ تفسیر کی کتاب داخلِ نصاب ہے، ابن کثیر میں سورۂ صافات اور ستائیسواں پارہ مکمل پڑھاتے ہیں، بیضاوی میں سورۂ آل عمران مکمل اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ بقرہ آدھ پارہ داخل نصاب ہے، اساتذۂ کرام ان دونوں تفسیروں کو سبقاً سبقاً پڑھاتے ہیں، عملی کوئی کام نہیں لیا جاتا؛ اس لیے یہ درجہ بہت فعال نہیں ہے۔

دارالعلوم حیدرآباد میں تخصص فی التفسیر کا شعبہ کھلا، اس میں تفسیر کی درج ذیل کتابیں داخلِ نصاب کی گئیں: مختصر ابن کثیر، فتح القدیر للشوکانی، تفسیراتِ احمدیہ، تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ، مشکلات القرآن علامہ کشمیریؒ، مناہل العرفان۔

وہاں مختلف انداز سے لکھنے کا کام بھی لیا جاتا تھا، مثلاً آیاتِ احکام کی تخریج کرائی جاتی تھی اور راست طور پر قرآن مجید سے کتنا حکم مستنبط ہوتا ہے، اس کی تفصیل معاون کتابوں سے طلبہ لکھتے تھے، بیان القرآن کا مطالعہ لازم تھا، متعدد عناوین پر طلبہ سے مقالے لکھوائے جاتے تھے، راقم الحروف سے متعلق مناہل العرفان تھی، دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے مطابق تین مباحث پڑھائے اور ان سے متعلق نوٹس لکھوائے جاتے تھے؛ لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ تفسیر کے لیے اچھے طلبہ نہیں ملتے تھے، اکثر اچھی استعداد والے یا تو افتاء پڑھتے ہیں یا عربی زبان وادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ لکھتے ہیں:

''دورۂ تفسیر فراغت کے بعد پڑھایا جاتا ہے؛ اس لیے جو طلبہ پڑھنا چاہتے بھی ہیں، ان کو ان کے سرپرست موقع نہیں دیتے، وہ کہتے ہیں کہ تم فارغ ہوگئے اب پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کام میں لگو! پھر ایسے کام میں لگتے ہیں کہ از خود مطالعہ بھی نہیں کرتے''۔ (الخیر الکثیر، ص:۲۰)

دورۂ تفسیر کا طریقۂ کار:

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ لکھتے ہیں:

''دورۂ تفسیر جس میں بیضاوی، ابن کثیر اور مظہری کی مدد سے قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر پڑھائی جاتی ہے، یہ دورۂ تفسیر کچھ کامیاب نہیں، اور ناکامی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تفاسیر اتنی

طویل ہیں کہ ان کے پانچ پانچ پارے بھی ایک ایک گھنٹہ میں کماحقہ نہیں پڑھائے جاسکتے، علاوہ ازیں ذی استعداد طلبہ ازخود ان کا مطالعہ کرسکتے ہیں، انھیں ایک سال لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر دورۂ حدیث عمدۃ القاری، فتح الملہم، بذل المجہود اور معارف السنن کی مدد سے پڑھایا جائے، یعنی متونِ حدیث پڑھانے کے بجائے یہ شروح پڑھائی جائیں تو دورۂ حدیث کا رنگ بھی پھیکا پڑجائے گا''۔

آگے لکھتے ہیں:

''دورۂ تفسیر میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ متن قرآن کریم کو بنیاد بناکر شیخ الحدیث اور اساتذۂ حدیث شریف کی طرح متخصصینِ تفسیر، قرآن کریم کا درس دیں، اور تمام تفاسیر سے استفادہ کریں اور خلاصہ بیان کریں تو دورۂ تفسیر کی شان پیدا ہوسکتی ہے''۔ (الخیرالکثیر ص:۱۹)

اس کے ساتھ اگر مشورے سے کچھ عملی کام کا اضافہ کرلیا جائے تو بہت بہتر رہے گا۔

قرآنِ کریم سے بے توجہی:

دیکھا جائے تو ہمارے مدارس میں ترجمۂ قرآن ہی پر توجہ ہے، سوم، چہارم اور پنجم عربی میں اردو ترجمہ اور جلالین کے ذریعہ عربی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے اور بس، چند ہی مدارس میں تخصص ہے، اور وہ بھی غیر فعال، قرآنِ پاک کی حیثیت ایک مظلوم صحیفہ کی سی ہوگئی ہے، یہ کتاب جتنی توجہ کی مستحق ہے ہم اتنی توجہ نہیں دے رہے ہیں، ضرورت ہے کہ مدارس کے سرکردہ حضرات سرجوڑ کر بیٹھیں اور تفسیر قرآن کا ایک مفید نصاب اور مؤثر طریقۂ کار اپنائیں!

الحمدللہ! آج حفاظ کی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو قرآنِ کریم کو صحیح سمجھ کر عمل کرنے اور عام کرنے کی، اگر قرآنِ کریم پر ہم عمل پیرا رہے تو ہمیں ضرور بالضرور عزت ورفعت ملے گی، وباللہ التوفیق!

اصولِ تفسیر کی تدریس:

''اصولِ تفسیر''، میں تفسیر قرآن سے متعلق قواعد اور قوانین بیان کیے جاتے ہیں، اس موضوع کی دو کتابیں ہمارے یہاں داخل نصاب ہیں:

(۱) الفوزالکبیر (۲) مناہل العرفان

الحمدللہ! دونوں کتابوں کو کئی بار پڑھانے کا موقع ملا، الفوز الکبیر بڑی مفید کتاب ہے، اس

میں فہم قرآن میں پیش آنے والے مشکلات کو نہایت ہی اچھے انداز سے حل کیا گیا ہے، مختصر سی کتاب میں اتنے اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں کہ کوئی اور کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، بہ قول حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ:

''یہ ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحبؒ نے اپنے ذوق ووجدان اور فہم قرآن کی بناء پر لکھ دیے ہیں، دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے''۔

(الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ صاحبؒ نمبر، ص:۳۴۱)

اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے یہاں صرف یہی ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے، تو بھی بے جا نہ ہوگا؛ اس لیے کہ تخصص فی التفسیر چند ہی مدارس میں ہے اور اس میں داخل ہونے والے طلبہ بھی بہت کم ہوتے ہیں۔

پھر اس کتاب کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اسے سال کے اخیر میں پڑھاتے ہیں، اور وہ بھی رواروی میں اس طرح کہ طلبہ اس کو کماحقہ سمجھ نہیں پاتے، وہ سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں اور جلالین پڑھانے کے بعد پڑھائی جاتی ہے؛ اس لیے اس کا کوئی فائدہ طالب علم پر مرتب نہیں ہوتا۔

دارالعلوم دیوبند کے اربابِ انتظام نے اس پر توجہ دی اور ۱۴۱۷ھ سے سال کے شروع میں پڑھائی جانے لگی، اور اس کا گھنٹہ مستقل کردیا گیا؛ تاکہ طلبہ گہرائی کے ساتھ پڑھیں اور قرآنِ کریم کے اصول سے اچھی طرح واقف ہوں، دارالعلوم کا یہ اقدام بہت مفید ثابت ہوا۔

(الخیر الکثیر، ص:۲۴)

دارالعلوم حیدرآباد میں جب یہ مجھ سے متعلق ہوئی تو میں نے ذمہ داروں سے اجازت لے کر سال کے شروع میں پڑھانا شروع کیا۔

''الفوز الکبیر'' کو سرسری طور پر نہ پڑھایا جائے، کسی بھی اصول کی کتاب کو سرسری طور پر پڑھانا فائدہ مند نہیں ہوتا، اہم ترین کام ان اصولوں کا اجراء ہے، اس میں سب سے بنیادی چیز قرآنی آیات کی زُمرہ بندی ہے، شاہ صاحبؒ نے پانچ قسموں میں زمرہ بندی کی ہے: (۱) احکام (۲) جدل (۳) تذکیر نعمت (۴) تذکیر واقعات (۵) تذکیر موت وآخرت۔

الفوز الکبیر اور جلالین ایک استاذ سے متعلق ہونی چاہیے، اس کے بغیر فائدہ کم ہوگا، جب

الفوزالکبیر ختم ہوجائے، اور جلالین شروع ہو تو استاذ صاحب نشاندہی کریں کہ یہ فلاں قسم کی آیت ہے اور یہ فلاں قسم کی، پھر اس کے مطابق تشریح کریں، مثلاً احکام کی آیت میں بتائیں کہ اس میں یہ حکم بیان ہوا ہے، اس کا اتنا جز، قرآن میں ہے، اتنا حدیث اور اجماع میں وغیرہ۔

جدل کی آیتوں میں بھی بتائے کہ مشرکین، منافقین، یہود ونصاریٰ کی فلاں خرابی اس جگہ ہے، اور فلاں خرابی یہاں، ان کے استدلال کا اسلوب قرآن نے کیا اختیار کیا ہے؟

الفوزالکبیر میں اسباب نزول کی بحث بھی بہت اہم ہے، اس کو تھوڑا تھوڑا نہایت ہی امعان وگہرائی سے پڑھانا ضروری ہے۔

بہتر یہ ہے کہ ہر فصل کے بعد طلبہ کا آموختہ سنا جائے اور ان سے سوالات کیے جائیں؛ تاکہ اندازہ ہوجائے کہ انھوں نے اچھی طرح سمجھا ہے یا نہیں۔

الفوزالکبیر کے بعد تخصص فی التفسیر میں ''مناہل العرفان'' پڑھائی جاتی ہے، یہ علامہ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ کے محاضرات کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے جامع ازہر میں طلبہ کے سامنے پیش کیے ہیں، یہ درسی کتاب کی طرح نہیں ہے، طول بیانی بہت زیادہ ہے، کبھی کبھی پڑھتے پڑھتے طبیعت اُکتا جاتی ہے؛ مگر بہت مفید ہے، اس کے تین مباحث دارالعلوم دیوبند میں پڑھائے جاتے ہیں۔

اس کتاب کو اگر اساتذہ سبقاً سبقاً نہ پڑھائیں؛ بلکہ طالب علم خود پڑھے اور ہر مبحث کا خلاصہ لکھے اور پھر ان کو اپنی زبان سے بیان کرے تو اس کا فائدہ دو چند ہوسکتا ہے۔ اصولِ تفسیر پڑھانے والے اساتذہ کو الاتقان، البرہان اور التبیان وغیرہ کو مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

قیمتی نصیحت:

میں نے اس موضوع پر تیاری کرنے سے پہلے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زیدمجدہ سے دریافت کیا کہ ''تفسیر قرآن کی تدریس'' سے متعلق کچھ بتادیجیے! انھوں نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر جواب دیا کہ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ اساتذہ نے اپنے اساتذہ سے جس طرح پڑھا ہے، اسی طرح پڑھائیں، جس استاذ کو جس کا اسلوب پسند ہو اسی کو اختیار کرے، پھر فرمایا کہ سبق میں مرجوح اقوال بیان نہ کیے جائیں اور راجح کی تعیین کے لیے اکابر کی تفسیر کو معیار بنایا جائے۔ استعداد سازی کے لیے سب سے بہتر تو یہ ہے کہ طالب علم کتاب خود حل کرے، اور استاذ کے سامنے پڑھے، اگر صحیح ہو تو استاذ کہے: ''ہوں'' اور غلط ہو تو کہے ''اُوں ہوں'' اور درس گاہ میں

طلبہ اتنے ہوں جہاں تک استاذ کی قچی پہنچ جائے۔

مساجد میں درس قرآن:

قرآن مجید کتاب قرارت بھی ہے اور کتابِ ہدایت بھی؛ لیکن آج ہم نے اس کو صرف کتاب قرارت بنالیا ہے؛ حالاں کہ علمائے امت نے قرآن پاک کا ترجمہ خصوصاً عوام کے لیے کیا ہے، جب زبان فارسی تھی تو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فارسی میں ترجمہ کیا، پھر ان کے صاحب زادوں نے اردو زبان میں ترجمہ کیا، حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کو اپنے زمانہ کی اردو زبان میں مہذب کیا، اس پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیری حاشیہ لکھا، یہ سب عوام کے لیے کیا گیا؛ اس لیے عوام کو قرآن پاک کے یہ ترجمے پڑھنے چاہئیں، مسلمانوں کے مصائب وآلام اور ذلت وپستی کے من جملہ اسباب میں سے ایک قرآنِ پاک سے دوری ہے، حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تو علماء کے درمیان ارشاد فرمایا:

''میں مالٹا کی جیل سے یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ اپنی پوری توانائی دو کاموں میں صرف کرنا ہے، ایک تو قرآن کو گاؤں گاؤں، محلے محلے اور گھر گھر عام کرنا ہے کہ کم از کم اس کی لفظی تعلیم سے کوئی مرد وعورت، بچہ بوڑھا خالی نہ رہے، اور بڑی مسجدوں میں ''درسِ قرآن'' جاری کیے جائیں، جن میں آسان تفسیر قرآن عوام کو پڑھائی جائے، دوسرے آپس کی لڑائی جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔'' (الخیر الکثیر، ص:۱۸)

آج ضرورت ہے کہ ''درسِ قرآن'' کے ذریعہ عام مسلمانوں کو قرآنی مضامین سے واقف کرایا جائے، خاص طور سے جو آیتیں تذکیری پہلو رکھتی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی اور آفاق وانفس میں غور وتدبر والی آیتیں، انبیائے کرامؑ کے واقعات، نافرمانوں کو سزا دیے جانے کے واقعات، عام نصیحت کی آیتیں، سبق آموز عبرت وموعظت سے عام مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے، دنیا کے فنا ہوجانے اور آخرت کے ہمیشہ باقی رہنے، قبر، حشر، جنت اور جہنم کی آیات کے معانی سے ان کو آگاہ کیا جائے، موت اور اس کے بعد جزا وسزا کا استحضار کرایا جائے۔

اگر مساجد میں ''درسِ قرآن'' کی مجلسیں ہونے لگیں تو عوام علماء سے قریب ہوں گے، زندگی شریعت کے مطابق گزارنے کا حوصلہ پیدا ہوگا، قرآن پر امت متفق ہوگی، اس کی نورانیت

سے معاشرہ روشن ومنور ہوگا۔

قرآن کے الفاظ:

قرآنِ پاک میں الفاظ اکثر وہی ہیں جو ہم اردو میں بولتے ہیں، مثلاً سورۂ فاتحہ میں: حمد، رب، عالم، رحمٰن، رحیم، مالک، عبادت، ہدایت اور صراطِ مستقیم جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، صیغے اور انداز کا فرق ہے، اگر ہم عوام کو ہر ہر لفظ کا ترجمہ بتا کر روزانہ یا ہفتہ میں ایک دو آیت پڑھا دیا کریں تو دھیرے دھیرے لوگ الفاظِ قرآنی سے قریب ہوجائیں گے، کہا جاتا ہے کہ قرآنِ پاک میں الفاظ دو ہزار کے قریب استعمال ہوئے ہیں، ان میں تقریباً پندرہ سو الفاظ ہم روزمرہ بول چال میں استعمال کرتے ہیں؛ اس لیے بقیہ الفاظ کو سیکھنا بھی کچھ بعید نہیں، کرنے سے کام آسان ہوتا ہے۔

درسِ قرآن کا انداز:

''درسِ قرآن'' کا اسلوب نہایت آسان اور سہل رکھا جائے، جس سے عام لوگ مانوس ہوں، الفاظ بھی بالکل عوامی استعمال کریں، موٹے موٹے عقائد، بدعات ورسوم سے اجتناب، معاشرہ کی اصلاح، اعمالِ صالحہ کی ترغیب، اچھے اخلاق کی تلقین اس انداز سے کی جائے جو قبولِ عام حاصل کرسکے۔

آج کل لوگوں کی مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے؛ اس لیے پندرہ بیس منٹ سے زیادہ وقت نہ لیا جائے، مشورہ سے ایسا وقت متعین کیا جائے جس میں سب کو سہولت ہو۔

جو اردو جانتے ہوں ان کو اردو ترجمہ وتفسیر مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا جائے، مثلاً حضرت تھانویؒ کا ترجمہ، معارف القرآن، ترجمہ شیخ الہندؒ، مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کی ہدایت القرآن، مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی توضیح القرآن وغیرہ اور جو ہندی اور انگریزی جانتے ہوں، ان کو ایسے ترجمے مہیا کیے جائیں، اور تاکید کی جائے کہ قرآن میں اپنی رائے نہ چلائیں، ہاں جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں، انھیں صحیح فکر کے حامل علماء سے پوچھیں، اس طرح عام مسلمان قرآن سے قریب ہوں گے، اور ان کی زندگی کے لیے قرآنِ پاک کتابِ ہدایت ثابت ہوگی۔

❁ ❁ ❁